امام خمینی کی نگاہ میں خواتین کی سماجی امور میں شرکت اور شوہر کے حقوق کی رعایت

گروہ مؤلفین: عبد العلی توجہی، زہرا حق محمدی

مترجم: مولانا سید محمد جون عابدی

خلاصہ

اسلام ایسا دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام امور پر توجہ رکھتا ہے اور وہ تمام مسلمانوں کو سماجی امور میں حصہ لینے کی تاکید کرتا ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ خواتین بھی سماجی امور میں شرکت کریں لیکن عورت کی سماجی امور میں شرکت کبھی کبھی شوہر کے حقوق سے ٹکرانے لگتی ہیں جیسے کہ شوہر کے جنسی حقوق، بچوں کی تربیت، گھریلو کام کاج میں خلل وغیرہ۔ تو اب اس بہانے سے خاتون کو سماجی سرگرمیوں سے روک دینا نہ صرف عورت کی انسانی شان کی خلاف ہے بلکہ عورت اور سماج دونوں کے لئے نقصاندہ بھی ہے۔ عورت کو سماجی امور میں کام کرنے سے روکنا دو قسم کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

۱۔ مرد اور خانوادہ کو نقصان ہو سکتا ہے۔

۲۔ اس کا نقصان عورت اور معاشرہ کو بھی ہو سکتا ہے۔

اس مسئلہ کا حل "قاعدہ لاضرر" ہے۔ جس مقام پر امور آپس میں ٹکراتے ہیں وہاں فقہا حضرات ایک عام اصول استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس ٹکراؤ کا نقصان کم اور زیادہ ہو سکتا ہے اور اس کمی اور زیادتی کے درجات مختلف ہو سکتے ہیں۔ اگر عرف عام میں ضرر اور نقصان بہت کم اور قابل چشم پوشی ہو تو مرد خاتون کو سماجی کاموں سے روک نہیں سکتا ہے لیکن اگر ضرر اور نقصان اتنا زیادہ ہے کہ اس سے چشم پوشی ممکن ہی نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں خواتین کو سماجی امور انجام دینے کی صلاح نہیں دی جاتی ہے۔ لیکن اگر دونوں نقصان مساوی ہوتے ہیں تو فقہا اس مقام پر یا عام اصولوں کی طرف رجوع کرتے ہیں یا قرعہ کا سہارا لیتے ہیں۔

مقدمہ

گھر اور خانوادہ اگرچہ معاشرہ کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے لیکن وہ معاشرے اور سماج میں ایک بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے۔ ماہرین نفسیات، سماجیات، اقتصادیات اور قانون شناس افراد کی اس مسئلہ پر خاص توجہ رہی ہے۔ اور تمام انسانی رہنماؤں نے اس مسئلہ کی حمایت اور اس کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔

رسول اسلامؐ اپنے نزدیک شادی اور خانوادہ کی تشکیل کو ہر چیز سے زیادہ محبوب و پسندیدہ قرار دیتے ہیں لیکن اسی عظمت کے پیش نظر کچھ ایسے مسائل ہیں جو اس عمل کو بہت حساس بنا دیتے ہیں جس کی وجہ سے شادی اور گھریلو زندگی کو نشیب و فراز کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور کبھی تو اس کے وجود ہی کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اقتصادی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی امور میں وسیع پیمانہ پر خواتین کی شرکت ایک ایسا مسئلہ بن گیا ہے جس نے خانوادہ اور اعضاء خانوادہ کو بہت پیچیدہ مسائل سے روبرو کر دیا ہے۔ فقہ اور اسلامی قانون کی رو سے اسلامی احکام اور خانوادگی مسائل کے سلسلہ میں ایک اہم اصول جس کا استعمال بہت زیادہ ہے وہ "قاعدہ لاضرر" ہے۔

شہید مطہریؒ اس قاعدہ کی اہمیت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> "ایک اور جہت اور چیز جس نے دین اسلام کو تحرک بخشا اور زندہ رکھا ہے وہ اس دین میں کچھ ایسے اصول و قواعد کا ہونا ہے، جن کا کام دوسرے قوانین کو کنٹرول کرنا اور انہیں معتدل بنائے رکھنا ہے۔ فقہائے کرام ان اصول کو "قواعد حاکمہ" کہتے ہیں، جیسے قاعدہ "لا حرج"، قاعدہ "لاضرر" جو تمام فقہی قوانین پر حاکم ہیں۔ ان کا کام دیگر قوانین کو کنٹرول کرنا اور انہیں معتدل بنانا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ اسلام نے ان اصولوں کو دیگر قوانین کے مقابلہ میں "ویٹو پاور" دے رکھا ہے"۔[۱]

قاعدہ "لاضرر" بھی بہت سے شرعی احکام و نصوص کو معتدل بنانے کا کام کرتا ہے اور اس کے لئے مستحکم دلیلیں بھی موجود ہیں جو آیات روایات سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس قاعدہ کو شیعہ اور سنی دونوں ہی مذہب کے علماء قبول کرتے ہیں اور انہوں نے متعدد فقہی ابواب میں اس قاعدہ سے استناد بھی کیا ہے۔

اب اس بات کے پیش نظر کہ عقد نکاح ہوتے ہی زوجہ اور شوہر کی نسبت ایک دوسرے کے حقوق کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور ان حقوق کی رعایت دونوں کی ذمہ داری ہو جاتی ہے۔ اس تحریر میں جو اہم سوال اٹھایا گیا ہے

۱۔ مطہری، ۱۳۷۶: ۱۳۶

وہ یہ ہے کہ خواتین کی سماجی سرگرمیوں اور ان پر مردوں کے حقوق کے درمیان کوئی ٹکراؤ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر اس ٹکراؤ کو ختم کرنے میں "قاعدہ لاضرر" کا کیا کردار ہوگا؟ کیا اس قاعدہ کو مردوں کے حقوق کے حق میں جاری کر کے عورت کو سماجی سرگرمیوں سے روک دینے کا لازمہ اسے اس کے مسلم حق سے محروم کر دینا نہیں ہوگا؟ بلکہ کیا ایک شخص کی مصلحت کو معاشرے کی مصلحت پر ترجیح دیا جا سکتا ہے، کیا معاشرے کو خواتین جیسی بڑی کام کرنے والی طاقت کے فائدے سے محروم کیا جا سکتا ہے؟

ان سوالوں نے محققین کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ حقوق زوجین کے ٹکراؤ کی صورت میں قاعدہ لاضرر کی اہمیت اور اس کے کردار کے سلسلہ میں تحقیق کریں اور فقہی و حقوقی میدان میں امام خمینیؒ اور دیگر علماء کے نظریات کی مدد سے اس کا حل پیش کریں۔

اب یہاں فرض یہ ہے کہ گھریلوں ذمہ داریاں پوری کرتے ہوئے اگر عورت سماجی سرگرمی میں مشغول ہے تو یہ دونوں امور ایک ساتھ ہو سکتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر تین باتیں یہاں بیان ہونگی۔

۱) عورت اور سماجی سرگرمیاں

شرعی دلیلوں سے ثابت ہے کہ اسلامی معاشرے میں کردار ادا کرنے کے لئے اللہ نے عورت کے لئے جو ایک بہت بڑی اور اہم ذمہ داری رکھی ہے وہ گھریلو امور کو منظّم کرنا اور بچوں کی تربیت ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں "جهاد المراة حسن التبعل"[۱] اور "لا شفيع للمراة انجح عند ربها من رضا زوجها"[۲] جیسے ائمہؑ کے ارشادات پائے پاجاتے ہیں لیکن اس کے باوجود واضح رہے کہ یہ صرف عورت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ عورت کو گھر میں قید کر دینا اور شوہر اور بچوں کے امور تک محدود کر دینا اسے پژمردہ بنا دیگا اور اس کی شان کو گرا کر شوہر اور بچوں کی خادمہ کی حد تک محدود کر دے گا۔ اسلامی انقلاب ایران کے بانی امام خمینیؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> یہ غلط پروپگنڈا کیا جا رہا ہے کہ اگر اسلام آگیا تو عورتیں گھر میں بیٹھ جائیں گی، دروازوں پر تالا لگا دیا جائے گا تا کہ باہر نہ آسکیں۔ یہ اسلام کی طرف کیسی باتوں کی نسبت دی جا رہی ہے اسلام کی شروعات میں خواتین فوجوں میں ہوا کرتی تھیں؛ میدان جنگ میں جاتی تھیں تو کچھ احکام مردوں کے لئے ہوتے ہیں اور کچھ خواتین کے لئے جو ان سے مخصوص ہیں۔ اس کا

۱۔ شیخ مفید ۱۴۱۳: ۳۹
۲۔ حر عاملی ۱۴۰۹ ج ۲: ۲۲۲

مطلب یہ ہر گز نہیں ہوتا کہ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان امتیازی فرق رکھا ہے۔
عورت و مرد کالج اور یونیورسٹی جانے میں آزاد ہیں، ووٹ دینے اور لینے میں آزاد ہیں۔[۱]

تو پتہ چلتا ہے کہ دین اسلام کے مطابق خانوادگی زندگی کے ساتھ سماجی امور اور سیاسی، معیشتی اور ثقافتی سرگرمیوں میں شرکت خواتین کا مسلم حق ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے، اور اس سلسلہ میں مرد و زن مساوی ہیں۔ اسلام میں مردوں کی طرح خواتین کے بھی سماجی امور کو انجام دینے کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ رسول اللہؐ نے اس کو ترک کرنے کو دین سے خارج ہونے کے مساوی قرار دیا ہے:

مَنْ أَصْبَحَ لا یَهْتَمُّ بِأُمورِ الْمُسْلمینَ فَلَیْسَ منهم[۲] جیسا کہ خود جناب زہراؑ، حسنینؑ کا ہاتھ پکڑ کر مہاجرین و انصار کے گھروں پر جاتی تھیں اور ان سے چاہتی تھیں کہ راہ رسالت میں جناب امیر المؤمنینؑ کی پیروی کریں اور ان کی نصرت کریں[۳]۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر جو ایک بڑا دینی فریضہ ہے قرآن کی رو سے اسے مرد و عورت کے لئے برابر قرار دیا گیا ہے[۴] جس سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی میدان میں عورت کا ہونا لازمی ہے۔

سورہ ممتحنہ کے نزول کے بعد خواتین کا بیعت عقبہ اول و دوم میں شرکت کرنا جو بیعۃ النساء کے نام سے مشہور ہے، یا بیعت رضوان اور غدیر خم میں رسول خداؐ کی بیعت کرنا، ابتدائے اسلام کی جنگوں میں اسلامی سپاہیوں کے کھانے پانی کا انتظام، زخمیوں کی تیمارداری، حبشہ اور مدینہ کی ہجرت میں شریک ہونا وغیرہ ایسے شواہد ہیں جو اسلام کی رو سے خواتین کے سماجی امور میں شرکت کی نشاندہی کرتے ہیں لہٰذا اسلام، عورت کے سماجی امور میں شرکت کے لئے کسی محدویت کا قائل نہیں ہے بلکہ قوانین کی رعایت اور شرعی ذمّہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ انہیں انجام دینے کی تاکید کرتا ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

"مذہب تشیع نہ صرف خواتین کو سماجی امور میں شرکت سے نہیں روکتا بلکہ سماجی میدان میں ان کے بلند مقام و منزلت کا بھی قائل ہے"[۵]۔

۱۔ امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۵: ۲۱۷-۲۱۶
۲۔ کلینی، ۱۳۶۵، ج۲: ۱۶۳، ح۱
۳۔ مدرسی، ۱۳۸۰: ۲۹
۴۔ سورہ توبہ، آیت ۷۱
۵۔ مؤسسہ تنظیم نشر آثار امام خمینیؒ، ۱۳۸۴: ۲۸

لیکن اس بات پر توجہ ہونی چاہئے کہ دین کی دو سطحیں ہوتی ہیں ایک اوپری اور ایک اندرونی۔ اور دینی احکام ایک مجموعہ کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اگر ہم دین کو اوپری سطح سے دیکھیں گے اور اس کے کچھ احکام کو اس مجموعہ سے الگ رکھ کر سمجھنا چاہیں گے تو بہت سے احکام کو نہیں سمجھ سکیں گے تو کسی بھی دین کی حقانیت اور اس کے بطلان کو سمجھنے کے لئے اس کے پورے مجموعے اور اس کے اجزاء کے درمیان رابطہ کو سمجھنا ضروری ہے[1]۔

خواتین کی سماجی سرگرمیوں اور بعض الہی یا انسانی حقوق کے درمیان ٹکراؤ کی صورت میں ان کے لئے پیش آنے والی کچھ مطلوب اور پسندیدہ محدودیتوں کو سمجھنے اور ان پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے ورنہ خواتین کی یہ تمام کوششیں اور زحمات مال و مقام کی محبت اور چاہت کے علاوہ کچھ اور نہ ہونگی[2]۔ اس ٹکراؤ کا ایک واضح نمونہ خواتین کی سماجی سرگرمی اور حق زوجیت کے درمیان ٹکراؤ ہے کیونکہ ممکن ہے کہ کچھ سماجی سرگرمیاں شوہر کے حق کے منافی ہوں اور کچھ شوہر کے حقوق کے بجائے گھریلو مصلحتوں کے بھی منافی ہوں۔

اس طرح کے ٹکراؤ کے ذکر سے پہلے مناسب ہے کہ زوجیت کی صورت میں عائد ہونے والے کچھ ان حقوق پر ایک نگاہ ڈال لی جائے جن کا سیدھا تعلق خواتین کی سماجی سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔ نیز ان سماجی سرگرمیوں کو بھی بیان کیا جائے جن کے سائے میں انسانی صلاحیتیں شگوفا ہوتی ہیں۔

تعلیم اور تعلم: اسلام کی نگاہ میں تعلیم و تعلم کی بہت اہمیت ہے۔ اس سلسلہ میں رسول خداؐ سے منقول کچھ احادیث کا یہاں ذکر کرنا مناسب ہے:

طَلَبُ العِلمِ فَریضَةٌ عَلی کُلِّ مُسلِمٍ، ألا إنَّ اللهَ یُحِبُّ بُغاةَ العِلمِ۔[3]

اطلبوا العلم ولو بالصین[4]۔

اطلبوا العلم من المهد الی اللحد[5]۔

زَکاةُ العِلمِ أن تُعَلِّمَهُ عِبادَالله۔[6]

۱۔ فنائی اشکوری، ۱۳۷۸: ۲۱

۲۔ آیت اللہی، ۱۳۸۰: ۱۹

۳۔ کلینی، ۱۳۶۵: ج۱: ۳۱

۴۔ حر عاملی، ۱۴۰۹، ج ۲۷: ۲۷

۵۔ مجلسی، ۱۴۰۴، ج۱: ۱۷۷

۶۔ کلینی، ۱۳۶۵، ج۱: ۴۱

ان احادیث میں مرد اور عورت کو برابر سے خطاب کیا گیا ہے اور یہ سب تعبیریں اسلام کی نگاہ میں علمی ترقی اور تعلیم کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے انسانی معاشرے سے جہالت کو دور کرنے کی تاکید کرتی ہیں۔ مردوں اور خواتین کی مشترک توانائیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر شرعی فرائض کی رعایت کے ساتھ اسلام عورت کے لئے یہ امکان فراہم کرتا ہے کہ وہ تعلیم اور تعلم کے میدان میں ترقی کرے۔ اسی بات کے پیش نظر آج مسلمان خواتین اور لڑکیاں علم کے مختلف میدانوں میں پیشا پیش ہیں اور بلند مقام حاصل کر رہی ہیں۔ رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ العظمی سید علی خامنہ ای دامت برکاتہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "عورتوں اور لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہئے اور قانونی طور پر اعلیٰ علمی مراکز میں لڑکیوں کے داخلہ کا انتظام کیا جانا چاہے؛ کیونکہ خواتین علم و معرفت کی طاقت اور قانون کے ساتھ ہی اپنے حق کا دفاع کر سکتی ہیں"۔[۱]

ایک دوسرے مقام پر امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

> "جس طرح مرد حضرات مختلف امور میں شرکت کرتے ہیں آج خواتین کو بھی ان امور میں شرکت کرنا چاہئے اور انہیں صحیح تعلیم و تربیت حاصل کرنی چاہئے اور وہ ہر چیز میں صحیح طور پر شریک رہیں"[۲]۔

چنانچہ امام خمینیؒ کی نگاہ میں خواتین کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ شرعی قوانین کی رعایت کے ساتھ اپنے تعلیمی حقوق اور وسائل سے بہرمند ہو سکتی ہیں اور تعلیم و تربیت کا لازمہ سماجی امور میں ان کی شرکت ہے۔

سیاسی سرگرمیاں: اسلام کی رو سے مرد و زن دونوں اپنے انسانی اور فطری حقوق سے بہرہ مند ہونے میں مساوی ہیں۔امام خمینیؒ کی تعبیر کے مطابق:

> حق کے لحاظ سے مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ دونوں انسان ہیں اور عورت بھی مرد کی طرح اپنے امور میں آزاد ہے۔ اگرچہ بعض موارد میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے لیکن اس کا تعلق ان کی انسانی حیثیت سے نہیں ہے جو مسائل نسوانی شرافت اور حیثیت کے منافی نہیں ہیں، خواتین ان کے سلسلہ میں آزاد ہیں[۳]۔

۱۔ محمودی، ۱۳۷۸: ۲۷

۲۔ امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۳: ۱۹۳

۳۔ امام خمینی، ۱۳۸۵، ج۴: ۳۶۴

اسلام میں امور مسلمین کے اہتمام کی تاکید اور اس سلسلہ میں لاپرواہی کی مذمت اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام سیاسی امور میں مرد و خواتین کے مختلف طبقوں کی شرکت کو اہم جانتا ہے۔ اگرچہ فقہاء نے خواتین کی سیاسی سرگرمی کے سلسلہ میں کوئی مستقل بحث نہیں کی ہے لیکن تاریخی مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں رسول خداؐ کی بیعت، تحریک کربلا اور دیگر سیاسی اور سماجی تحریکوں میں خواتین کی بہت زیادہ شرکت اور خدمات رہی ہیں۔ اس کے علاوہ سورہ سبا کی آیت ۲۳ سے ۴۱ میں ملکہ بلقیس اور ان کے حکومت کرنے کا تذکرہ بھی جمہوریت اور شورائی نظام کے سلسلہ میں اسلام کے نظریہ کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں "غزوۃ النساء" کا ایک مستقل باب موجود ہے۔

ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد خواتین کے لئے مختلف میدانوں خصوصا یونیورسٹیز، علمی مراکز، سیاسی امور وغیرہ میں فعالیت اور سرگرمی کے مواقع پہلے سے زیادہ اور وسیع پیمانے پر فراہم ہوئے ہیں۔ امام خمینیؒ بھی اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مختلف سیاسی اور سماجی میدانوں میں خواتین کی پرزور شرکت کی تاکید کرتے رہے ہیں اور اس چیز کو نہ صرف ان کا حق بلکہ فریضہ بھی قرار دیتے تھے اور اس کو ترک کرنا جائز نہیں جانتے تھے۔ ان کی بیانات کے کچھ نمونے یہ ہیں:

> "سیاست میں آنا خواتین کا حق ہے؛ یہ ان کا فرض ہے"[۱]۔
>
> "تمام اسلامی قوانین معاشرے کی مصلحت کی خاطر ہیں۔ خواتین کو ملک کے بنیادی مسائل میں شریک ہونا چاہئے"[۲]۔
>
> "ابتدائے اسلام کی خواتین نے مردوں کے ساتھ جنگوں میں شرکت کی تھی۔ خواتین کو چاہئے کہ اپنی قسمت کے تعین میں شریک رہیں"[۳]۔

لہٰذا آج کے زمانہ میں سیاسی سرگرمی خواتین کی فعالیت کا اہم میدان اور ان کی صلاحیتوں کی ترقی اور ان کے نکھرنے کے لئے ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ساتھ گھریلو حالات کی بہتری اور اس میں عورت کا کردار بھی سامنے آیا ہے اور اب اگر اس سلسلہ میں منصفانہ حکمت سے کام نہیں لیا گیا تو ممکن ہے کہ یہی امر خانوادہ اور افراد خانوادہ کے لئے مشکلات اور مسائل کا سبب بن جائیں۔

۱۔ امام خمینی، ۱۳۸۵، ج ۱۰: ۱۵
۲۔ ایضاً، ۱۳۸۵، ج ۶: ۳۰۱
۳۔ ایضاً، ۱۳۸۵، ج ۶: ۳۰۰

اقتصادی سرگرمیاں: انسانی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے پہلے خواتین کو چھوٹے مسائل میں بھی دخالت کا حق نہیں تھا اور ملکیت اور وراثت جیسے حقوق سے بھی محروم تھیں بلکہ بہت سے معاشروں میں تو خود عورت کو مال اور ملکیت شمار کیا جاتا تھا جو مرد کے مرنے کے بعد اس کے کسی ایک بیٹے کو ورثہ کے طور پر ملتی تھی[۱] لیکن آج اسلامی تعلیمات کی برکت کے سائے خواتین کو اپنے حلال مال یا میراث کا مالک شمار کیا جاتا ہے؛ بلکہ انہیں معاشرے میں مردوں ہی کی طرح ہر قسم کے اقتصادی کام کرنے کا حق ہے۔

ابتدائے اسلام میں خواتین کا تجارت، کاریگری، چوپانی، کپڑوں کا کام وغیرہ کرنا[۲] خواتین کے اقتصادی اور معیشتی امور میں شرکت کی نشاندہی کرتا ہے۔ سورہ نساء آیت ۳۲ میں ارشاد ہوتا ہے:

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔

ترجمہ: مردوں کا حصہ ہے (مال و اعمال وغیرہ سے) جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کا حصہ ہے جو کچھ انہوں نے کمایا۔

یعنی اسی طرح جیسے مرد اپنی کمائی ہوئی چیز کے مالک ہوتے ہیں عورتیں بھی اپنی کمائی ہوئی چیز کی مالک ہیں۔ اس بات سے عورت کے حق کے ساتھ ان کے کام کرنے کا جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں کمائی کے حلال ہونے کو فرض کیا گیا ہے اور اس کے بعد اس کے مالکیت کی بات کی گئی ہے تو اسلام کی رو سے اقتصادی فعالیت نہ صرف جائز ہے بلکہ سب کو اس کی طرف دعوت بھی دی گئی ہے[۳]۔ اور آج اقتصادی سرگرمیوں اور اہم سماجی عہدوں پر ہونا خواتین کی سماجی سرگرمیوں کا ایک اہم میدان ہے۔ آج کی دنیا میں مرد و عورت کی جنسیت اور ان کے کردار کے سلسلہ میں بہت سی قابل غور تبدیلیاں وجود میں آئی ہیں۔ بڑی تعداد میں خواتین کام کے بازار میں وارد ہو گئی ہیں اور اب زبانوں پر ہاؤس ہزبنڈ کا لفظ رائج ہو گیا ہے۔

بہت سے اداروں میں تو نوزاد بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کے سلسلہ میں مادری ذمہ داری کے بجائے باپ کی ذمہ داری کی تعبیر استعمال ہونے لگی ہے۔ سن ۱۹۰۰ میں جہاں صرف ۲۰٪ خواتین گھر سے باہر کام کرتی تھیں وہیں ۱۹۸۷ آتے آتے یہ تعداد ۵۵٪ سے زیادہ ہو گئی تھی جن میں تین چوتھائی تعداد پورے وقت کرنے والی خواتین کی تھی[۴]۔ اگرچہ اقتصادی، طبّی، تعلیمی، تجارتی، اور دیگر مختلف سماجی میدانوں میں خواتین کی شرکت

۱۔ سورہ نساء، آیت ۲۲
۲۔ فاضلی، بیار جمندی، ۱۳۸۱: ۲۱۴-۲۱۰
۳۔ فاضلی، بیار جمندی، ۱۳۸۱: ۱۹۵
۴۔ فنائی اشکوری، ۱۳۸۷: ۳۸-۳۹

اور فعالیت وسیع پیمانہ پر ہے لیکن اس کے باوجود آج بھی بہت سے مفکرین اور دانشمند حضرات کا یہی ماننا ہے کہ خاتون کی بنیادی اور اصلی ذمہ داری بچوں اور شوہر کا خیال رکھنا ہے۔

پارسونز خواتین کے باہر کام کرنے کے سخت مخالف تھے اور انہوں نے اپنے نظریہ "تفکیک نقشا" یعنی ذمہ داریوں کا مختلف ہونا، میں یہ کہا ہے کہ عورت کے باہر کام کرنے سے خانوادگی نظام کو سخت خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور اس کا بچوں پر غلط اثر پڑے گا۔ ان کے مطابق اس عمل سے خانوادہ بکھر سکتا ہے اور معاشرہ پر اس کے برے اثرات مترتب ہونگے[۱]۔

جب کہ اس کے مقابلہ میں بعض دوسرے افراد کا کہنا ہے کہ باہر کے کام کرنے سے عورت میں خوداعتمادی، مالی استقلال اور سماجی امور کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہوگا اور وہ تعلیمی، مہارتی اور فنی وسائل سے بہتر طور پر بہرہ مند ہو سکیں گی جس کے نتیجہ میں انکی شخصیت مضبوط ہوگی[۲]۔

بوعلی سینا سے نقل ہوا ہے کہ اگر عورت خالی اور بیکار رہے گی تو برائیوں اور منفی افکار کا شکار ہو جائے گی اور خود کو بیہودہ اور بیکار کے کاموں میں مشغول کر دے گی اس لئے مرد کو چاہئے کہ اسے اہم کاموں میں مشغول کردے[۳]۔ چنانچہ آج کے دور میں خواتین گھر کے خرچ پورا کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور گذشتہ افراد کے برخلاف کسی پر بوجھ نہیں ہیں۔

۲) شوہر کے حقوق

نکاح کے بعد میاں بیوی پر ایک دوسرے کی نسبت کچھ ذمہ داریاں اور حقوق عائد ہوتے ہیں جن کی پابندی سے گھریلو نظام مستحکم ہو جاتا ہے اور یہ گھر کے اراکین کی سعادت اور ان کی تقویت کا سبب بنتی ہے۔ مجموعی طور پر ان حقوق اور ذمہ داریوں کا دو حصوں میں تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

۱) وہ حقوق اور فرائض جو دونوں کے درمیان مشترک ہوتے ہیں جیسے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور بہتر سلوک جس کو اسلامی تعلیمات میں معاشرت بہ معروف سے تعبیر کیا گیا ہے[۴]۔ یا گھریلوں بنیادوں کو مضبوط کرنے میں ایک دوسرے کا تعاون اور ایک دوسرے کے ساتھ وفادار رہنا وغیرہ۔

۲) مخصوص حقوق و فرائض: اس حصہ میں ایسے حقوق و فرائض کی بات ہے جو صرف شوہر یا زوجہ سے مخصوص ہوتے ہیں۔ جیسے مرد پر نفقہ اور مہر کی ذمہ داری، زوجہ پر شوہر کے لئے تسلیم ہونا، حق طلاق، گھر کی

۱۔ زعفرانچی، ۱۳۸۸: ۱۷۴
۲۔ منصور نژاد، ۱۳۸۱: ۱۳۹
۳۔ منصور نژاد، ۱۳۸۱: ۱۳۱
۴۔ سورہ نساء، آیت ۱۹

سرپرستی وغیرہ۔ تو اس تحریر میں "گھر میں مرد کی حکومت و سربراہی" اور "تمکین" یعنی عورت کا مرد کے لئے جنسی تعلقات کے لئے تسلیم رہنا، ان دو مسئلوں کا تجزیہ کیا جائیگا کیوں کہ ان کا تعلق ہماری تحقیق سے ہے اور اس کے علاوہ دوسری بحثوں سے پرہیز کیا جائیگا۔

خانوادہ پر مرد کی ولایت اور سرپرستی: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ گھر اور خاندان دوسرے سماجی شعبوں کی طرح ایک ایسا شعبہ ہے جسے ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ خانوادہ کی رہنمائی کرے اور افراد خانہ کے درمیان نظم وضبط قائم کرسکے۔ رسول خداؐ کے اس فرمان: "اگر تین لوگ ساتھ میں سفر کریں تو ان میں سے سب سے لائق اور شائستہ شخص کو اپنا سربراہ انتخاب کرنا چاہئے"[1] کے مطابق اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ ہر شعبہ میں ایک رہنما کا ہونا ضروری ہے چاہے اس میں تین افراد ہی ہوں۔ دوسری طرف سے "سربراہی کے لئے اصلح واعلم کے انتخاب" کا عقلی اصول بھی اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ گھر کی سربراہی کے لئے بھی ایک اصلح اور شائستہ فرد ہونی چاہئے۔ چنانچہ اعضائے خانودہ میں اتحاد کے قیام، انہیں بکھرنے سے بچانا، خانوادگی مصلحتوں کی حفاظت کے لئے سورہ نساء آیت ۳۴[2] میں مرد کو گھر کے سربراہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور فقہ میں اسے "حق اطاعت" کہا جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ سربراہی کا حق مرد کو دیا جانا، بظاہر اسلامی تعلیمات کے خلاف نظر آتا ہے۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے آیت میں آنے والے لفظ "قوامون" کی وضاحت ضروری ہے۔

"قوام"، قیام یعنی نگرانی، نظارت اور کفالت کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ لسان العرب میں، مذکورہ آیت کی نسبت، قیام کے یہی معنی بیان ہوئے ہیں[3]۔ یا "ولایت اور تسلط" کے معنی میں ہے۔ ظاہر سی بات ہے دونوں ترجموں کے نتیجے مختلف ہونگے۔ نگرانی اور حفاظت والے معنی کے لحاظ سے مرد صرف گھر کا خادم ہوگا، جب کہ ولایت اور سرپرستی والے معنی کے لحاظ سے عورت کا چھوٹا اور حقیر ہونا سمجھ میں آئے گا کہ فیصلے صرف مرد لیگا اور وہی ولی اور صاحب عقل و فہم ہے۔

۱۔ متقی ہندی، ۱۴۰۹: ھ ۱۷۵۴۸-۱۷۵۵۲

۲۔ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ۔ ترجمہ: مرد عورتوں کے محافظ و منتظم (حاکم) ہیں (ایک) اس لئے کہ اللہ نے بعض (مردوں) کو بعض (عورتوں) پر فضیلت دی ہے اور (دوسرے) اس لئے کہ مرد (عورتوں پر) اپنے مال سے خرچ کرتے ہیں۔

۳۔ ابن منظور، ۱۹۸۸: ج ۱۱، مادہ قوم: ۳۵۵

آیت شمس الدین نے قوام کے پہلے معنی کو لیا ہے۔ ان کے مطابق لفظ قیام کبھی اصلاح اور حفاظت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے[۱]۔ اس کے مقابلہ میں علامہ طباطبائی جیسے مفسرین نے قوام کو ولایت اور سرپرستی کے معنی میں لیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"قوام، قیام سے لیا گیا ہے جس کے معنی معاش کا انتظام کرنا ہے، اور اس سے مراد مرد کی فضیلت اور اس کا عقل و فکر کے اعتبار سے زیادہ ہونا ہے؛ کیونکہ انسان کی زندگی تعقل اور فکر پر مبنی ہوتی ہے اور عورت کی احساسات اور جذبات پر؛ مال کو کسی جذباتی شخص کے اختیار میں دینے کے بجائے ایک عاقل اور مدبر کے اختیار میں دینا مصلحت سے زیادہ نزدیک ہے"[۲]۔

لفظ قیم اس شخص کے معنی میں ہے جو کسی دوسرے شخص کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اور لفظ قوام بھی اسی قیام کا مبالغہ ہے[۳]۔ اجمالی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ قوام، قیومیت کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ قیومیت مجور (یعنی جس کا کوئی اختیار ہی نہ ہو) کے مقابلہ میں آتا ہے؛ جبکہ عورت مجبور نہیں ہے جسے اس کے امور کے فیصلوں سے ہی روک دیا گیا ہو؛ تو قوام سے مراد امور خانوادہ کے سلسلہ میں ایک قسم کی سرپرستی ہے اور یہاں فضل سے مراد بھی سخت اور زحمت والے کاموں کو انجام دینے میں مرد کی طاقت و تحمل کا زیادہ ہونا ہے نہ کہ عقل و فکر و کا زیادہ ہونا۔ تو اس بات پر توجہ ہونی چاہئے کہ اگرچہ اسلام کی نگاہ میں مرد گھر اور عورت پر ایک قسم کی سرپرستی اور ولایت رکھتا ہے لیکن اس کے کچھ خاص شرائط اور حدود ہیں اور ان حدود سے تجاوز کرنے اور نقصاندہ ثابت ہونے کی صورت میں اس کی یہ ولایت ختم ہو جاتی ہے۔

یہ سرپرستی اور ولایت، ویسی ہی ہے جیسی ایک حاکم کی ہوتی ہے کہ اس کی سرپرستی اس وقت تک ہوتی ہے جب تک وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے حکومت کرتا ہے[۴]۔ تو گھر اور عورت پر مرد کی سرپرستی اور تسلط اس طرح نہیں ہے کہ عورت خاموشی سے صرف اس کی اطاعت کرے بلکہ یہ سرپرستی اس لئے ہے کہ وہ صحیح پروگرام کے تحت گھر چلائے۔ اب اگر مرد حضرات اس ذمہ داری کو سمجھ جائیں اور گھر کے کاموں کو آپسی صلاح و مشورے کے ساتھ انجام دیں تو نہ صرف گھریلوں مشکلات سے دچار نہ ہونگے بلکہ وہ گھر چلانے میں کامیابی اور افراد خانوادہ کے درمیان محبت اور ہمدلی کا بھی مشاہدہ کریں گے[۵]۔ ڈاکٹر کاتوزیان کا اس سلسلہ میں خیال ہے کہ:

۱۔ شمس الدین، ۱۳۷۶: ۶۴

۲۔ طباطبائی، ۱۴۱۷، ج ۴: ۳۴۳

۳۔ موسوی، ہمدانی، ۱۳۷۴، ج ۴: ۵۳۴

۴۔ مدرسی، ۱۳۸۰: ۱۹

۵۔ حیدری، ۱۳۸۶: ۲۹۶

"قانون بنانے والے کا مقصد مرد کو عورت پر برتری دینا نہیں تھا کہ وہ اس طرح اپنی خواہشوں کو پورا کرتا رہے؛ بلکہ مرد گھر کا سرپرست ہوتا ہے تاکہ وہ ذمہ داریوں کو بہتر طور پر انجام دے اور عورت اس کی معاون اور ہم کار ہوتی ہے۔ نہ مطلق طور پر اس کے تحت تسلط"[1]۔

عورت پر شوہر کی اطاعت: روایات اگرچہ ذاتی طور پر عورت کے شوہر کی اطاعت پر دلالت کرتی ہیں لیکن دو دلیلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا شوہر کی اطاعت کرنا مطلق طور پر واجب نہیں ہے:

۱) اگرچہ فقہا کی نگاہ میں اخلاقی لحاظ سے عورت کا تمام امور میں شوہر کی اطاعت کرنا اچھی بات ہے بلکہ اس کے فائدہ میں ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء نے صرف دو جگہ یعنی جنسی امور میں تمکین اور گھر سے باہر نکلنے کے سلسلہ میں اس اطاعت کے وجوب کا حکم دیا ہے۔[2]

۲) سیرت متشرعہ: بعض فقہا نے دیندار خواتین کے سلسلہ میں سیرہ متشرعہ سے استناد کرتے ہوئے کہا ہے کہ صدر اسلام سے اب تک ان خواتین نے ان دو امور کے علاوہ کسی دوسرے امر میں خود کو شوہر کا مطیع اور فرمانبردار نہیں جانا ہے۔ جس سے نتیجہ لیا ہے کہ عورت پر مطلق طور پر شوہر کی اطاعت واجب نہیں ہے[3] لہٰذا روایت کے مطابق عورت پر صرف جنسی امور اور گھر سے باہر نکلنے کے سلسلہ میں شوہر کی اطاعت واجب ہے اور مطلق طور پر اس کی اطاعت کو مستحب ہونے پر حمل کیا جاتا ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شوہر کے مقام کو انہیں مسلم حقوق کے دائرے میں دیکھتا ہے جو اس کی نسبت عورت پر عائد ہوتے ہیں یعنی جنسی امور اور عورت کے گھر سے نکلنے پر اس کی نظارت؛ اس دائرے سے زیادہ کوئی اور پابندی عورت پر عائد نہیں ہوتی ہے[4]۔ اس کے علاوہ گھر سے باہر نکلنے میں شوہر کی اطاعت کو بھی عورت کے لئے کسی قسم کی پابندی اور قید نہیں مانا جاسکتا ہے کیونکہ مرد صرف دو موارد میں عورت کو گھر سے باہر نکلنے سے روک سکتا ہے۔

۱) جب عورت کا گھر سے باہر نکلنا مرد کی حق تلفی کا باعث بنے۔

۲) عورت کا گھر سے باہر نکلنا فتنہ اور خود عورت یا دوسروں کے لئے انحراف اور گمراہی کا سبب بنے۔

۱۔ کاتوزیان، ۱۳۷۵: ۱۶۵-۱۶۶

۲۔ امام خمینیؒ، ۱۳۷۹، ج ا و ۲: ۷۴۵

۳۔ خوانساری، ۱۴۰۵، ج ۴: ۴۳۵

۴۔ بستان، ۱۳۸۸: ۷۵-۷۶

وہ عورتیں جو گھر کے باہر اپنی حرمت کی رعایت نہیں کرتیں اور شوہر کی ضرورت کے وقت وہ گھر سے باہر ہوتی ہیں روایات میں انہیں "ولاجہ" سے تعبیر کیا گیا ہے[۱]۔ چنانچہ جب شوہر گھر میں نہ ہو اور عملی طور پر جنسی امور میں عورت سے بہرہ مند ہونا ممکن نہ ہو تو مرد اسے گھر سے باہر جانے سے روک نہیں سکتا ہے یا اگر عورت صلہ رحم یا مباح اور جائز کام کے لئے گھر سے باہر جائے اور اس کے لئے کوئی خطرہ نہ ہو تو بھی مرد اسے باہر جانے سے روکنے کا حق نہیں رکھتا ہے مگر یہ کہ عورت کا گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب ہو یا ایسی بات کا سبب بنے جو مصلحت اور عورت کی نسوانی حیثیت کے منافی ہو۔

دوران عقد شرط لگانا بھی ایک راستہ ہے جس کے ذریعہ عورت اطاعت کے دائرے کو محدود کر سکتی ہے۔ جس طرح جناب امیر المؤمنینؑ نے عبداللہ ابن جعفر کے ساتھ اپنی بیٹی کے عقد کے وقت شرط لگائی تھی کہ انہیں امام حسینؑ کے ساتھ سفر پر جانے سے نہیں روکیں گے[۲] اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ عورت کا شوہر کی اطاعت کے دائرہ کو مقید کرنا شوہر کے حکم اور حکم خدا کے مخالف نہیں ہے بلکہ روایات سے اخذ شدہ فقہ کے ایک مسلم قاعدہ "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق"[۳] کے مطابق ہے جس میں بغیر نقصان اور حرج کے اطاعت کے دائرے کو تنگ کیا گیا ہے۔

۳) ٹکراؤ اور اس کا حل

اس سے پہلے گفتگو ہوئی ہے کہ عورت کو معاشرے کے ایک فعال اور سرگرم رکن ہونے کے عنوان سے تعلیم و تربیت، سیاسی فعالیت، اسپورٹس اور آرٹ جیسے مختلف میدانوں میں شرکت کرنی چاہئے اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوا کہ دین اسلام کی تعلیمات سماج میں خواتین کے مقام اور ان کے کردار کی تاکید کرتی ہے۔ نیز اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ خواتین کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کی حفاظت اور ان کا احیا کیا جائے اور سماجی امور میں ان کی شرکت کو ترویج دیکر سماجی امور کے سلسلہ میں ان میں پائی جانے والی صلاحتیوں کو شکوفا کیا جائے۔ ساتھ ہی اسلام سماجی مسائل کے سلسلہ میں لاپرواہی اور اس سے کنارکشی کی مذمت کرتا ہے۔

اسی طرح مستقبل میں اور ظہور امام زمانہؑ کے دوران بھی خواتین اپنا سماجی کردار ادا کرینگی اور اس عظیم انقلاب میں شرکت کرتے ہوئے اس کے اہم مناصب پر ہونگی[۴]۔ امام باقرؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

۱۔ حسینی خوانساری، ۱۴۰۸، ج ۱۴: ۱۶۶

۲۔ قطیفی، ۱۴۱۲: ۴۴۳۳-۴۴۴۴

۳۔ حر عاملی، ۱۴۰۹، ج ۱۵۷: ۱۱

۴۔ حکیمی، ۱۳۸۳: ۳۹

"وہ آئیں گے اور ان کے ساتھ تین سو سے کچھ زیادہ افراد ہونگے جن میں سے پچاس خواتین ہونگی۔"[۱]

عورت کی سماجی سرگرمیاں جیسے باہر جاکر کام کرنے وغیرہ کا لازمہ یہ ہے کہ وہ گھر سے باہر جائیگی اور ایک اچھا خاصہ وقت گھر کے باہر گزارے گی جس کے نتیجہ میں یہ عمل مرد کے حقوق میں کوتاہی بلکہ اس کے حق میں نقصان کا سبب بھی بن سکتا ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق عورت کو مرد کے لئے ہر ممکنہ صورت میں آمادہ رہنا چاہئے[۲]۔ تو پہلے مرحلہ میں تو عورت کے گھر سے باہر رہ کر کام کرنے میں مرد کے حقوق کے ساتھ ٹکراؤ نظر آتا ہے اور ممکن ہے اس کے حق میں مادی اور روحانی دونوں قسم کا ضرر بھی ہو۔ اس کے علاوہ عورت کا باہر رہنا گھر کے دوسرے افراد کے لئے بھی نقصاندہ ثابت ہو سکتا ہے جیسے گھر سے باہر رہ کر کام کرنے کی صورت میں وہ اپنا مادری کردار ادا نہیں کر پائیگی، بہتر طور سے بچوں کی تربیت اور گھریلوں امور کی دیکھ بھال نہیں ہو سکے گی وغیرہ۔

کیونکہ آج بھی کھانا تیار کرنا، بچوں کی تعلیم، گھر کے سامان وغیرہ خریدنا جیسے گھریلوں امور عورت ہی کی اصلی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے علاوہ سماجی فعالیت خانوادہ اور مرد کی مصلحتوں سے بھی ٹکراؤ پیدا کر سکتی ہیں۔

اس قسم کے نقصانات اور ضرر جو مرد اور خانوادہ پر وارد ہوتے ہیں وہ "لاضرر" کے فقہی اور حقوقی قائدے کے مطابق جائز نہیں ہیں۔ اس بنیاد پر مرد اپنی سرپرستی اور ولایت کے اس حق کے ذریعہ جو ایک طرح سے اسے عورت پر فوقیت دیتا ہے اور جس کی بنیاد پر گھر کی ضروریات اور معاش کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، عورت کو باہر جاکر سماجی امور میں فعالیت کرنے سے روک سکتا ہے یا کم سے کم اس کی سماجی فعالیت پر نظر رکھ سکتا ہے۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ دینی احکام کو اس مجموعہ احکام کے کسی جزئی حکم کی بنیاد پر ختم یا اس کا تجزیہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عورت کی طرف سے شرعی فرائض کی رعایت کے ساتھ سماجی فعالیت کے اختیار اور حق کو سلب کرنا نہ صرف اس کی انسانی عظمت اور شان کے خلاف ہے بلکہ براہ راست یا بالوسطہ اس کو اور معاشرہ کو نقصان پہونچانا بھی ہے اور ایک طرح سے انفرادی مصلحت کو سماجی مصلحت پر ترجیح دینے کے مترادف ہے؛ کیونکہ صرف مرد کے جنسی حق کے نام پر معاشرے کو خواتین کی ان اہم خدمات سے محروم رکھنا

۱۔ عیاشی، ۱۳۸۰، ج۱: ۶۵
۲۔ شہید ثانی، ۱۴۱۶، ج۸: ۴۳۹

جو وہ معیشتی، ثقافتی، سیاسی، سماجی اور تعلیم وتربیت جیسے مختلف میدانوں میں انجام دیتی ہیں، نہ صرف عقل سلیم سے دور اور کج فکری کی علامت ہے بلکہ اس سے عورت کو صرف ایک آلہ کار تصور کیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عورت کے سماجی فعالیت انجام دینے سے دو قسم کے متضاد نقصانات وجود میں آتے ہیں جن میں زن و شوہر دونوں کے حقوق کو خطرہ ہو سکتا ہے یعنی ایک نقصان وہ ہے جو عورت کی سماجی فعالیت کی وجہ سے شوہر اور خانوادہ کے حقوق کو ہوتا ہے اور دوسرا جو مرد کی طرف سے عورت کی سماجی فعالیت سے روکے جانے کی صورت میں عورت کو ہوتا ہے بلکہ معاشرہ کو بھی اس کا نقصان ہوتا ہے۔

بہر حال مکلفین کو نقصان پہوچانا، چاہے وہ شریعت کے حوالہ سے ہو یا لوگوں کی طرف سے ہو، جائز نہیں ہے۔ اس کا لازمہ یہ ہے کہ اس قسم کے ٹکراؤ اور احتمالی نقصان کے مسئلہ کو حل کیا جائے اور یہ عمل گھریلو امور کو مستحکم کرنے کے لئے ضروری ہے۔

پہلے بھی اشارہ کیا جاچکا ہے کہ سورہ طلاق آیت ٦، بقرہ آیت ۲۳۳ اور بقرہ ۲۳۱، جیسی متعدد قرآنی آیات اور اسی طرح "لاضرر" کے فقہی قاعدہ کی رو سے سماجی، خانوادگی اور فردی مسائل میں عورت کو کسی بھی طرح کا نقصان پہوچانا جائز نہیں ہے۔

شیعہ فقہ میں متعدد مقامات پر فقہا نے قاعدہ لاضرر سے استناد کر کے بہت سے متضاد مسائل کو حل کیا ہے جیسے اگر شوہر غایب ہو جائے، یا عورت کو نفقہ دینے سے منع کرے تو حاکم شرع "الحکم ولی الممتنع" کی رو سے اس کو طلاق دے سکتا ہے، اگر کسی دیوانہ کو شادی کی ضرورت ہو اور ولی انکار کرے تو ولی کی ولایت ساقط ہو سکتی ہے۔ عورت کو اگر معلوم ہو کہ اس کا شوہر اس کی ضروریات اور نان و نفقہ پورا نہیں کر سکتا تو وہ نکاح کو فسخ کر سکتی ہے اور ایسے بہت سے امور۔[۱]

مالکی اور حنبلی کے قول کے مطابق ان کے دو میں سے ایک نظریہ کے مطابق، ضرر کی وجہ سے طلاق جائز ہے؛ لہٰذا اگر مرد عورت کی نسبت کوئی ایسا کام کرے جس سے قصاص واجب ہو جائے یا عورت کو مرد کی شرارت کی وجہ سے قصاص کا خوف ہو تو حکم طلاق عورت کے حق میں جاری ہوگا اور اس حکم کے لئے ضرر کا بار بار وارد ہونا بھی شرط نہیں ہے بلکہ ایک بار ضرر کی صورت میں ہی حکم طلاق صادر ہو جائیگا۔[۲]

تو قاعدہ لاضرر کے تحت، مرد و زن میں سے کوئی بھی، ایک دوسرے کی نسبت شادی اور زوجیت کی وجہ سے وجود میں آنے والے حقوق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے ہیں۔ اور اپنے حقوق کو ضرر پہونچانے کا ذریعہ

۱۔ سارہ محمد، ۲۰۰۲: ۳۳۳-۳۳۴
۲۔ ایضاً، ۳۳۳-۳۳۴

قرار نہیں دے سکتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں حقوق، شریعت اور عرف دونوں ہی لحاظ سے ضروری مقاصد، سماجی زندگی کی سختیوں کو دور کرنے اور زندگی کو مکمل اور بے نیاز بنانے کے خاطر ہوتے ہیں۔ تو اب اگر کوئی حق یا اس کے حصول کا طریقہ اعلیٰ مقاصد کے منافی ہو، تو قاعدتاً ایسے حق کو محترم شمار نہیں کیا جائیگا؛ کیونکہ یہ عمل غلط استعمال کا ذریعہ بن جائیگا[1]۔

لیکن جن موارد میں دو ضرروں کے درمیان تعارض اور تضاد کی صورت پائی جاتی ہو وہاں فقہا نے جس قاعدہ کو استعمال کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر دو ضرروں کے درمیان شدت اور ضعف پایا جاتا ہو تو اس میں سے جس کا ضرر کم ہوگا اس کو اختیار کیا جائیگا جسے اصطلاح میں "اقل الضررین" کہتے ہیں؛ اور جن مقامات پر ضرر مساوی ہوتے ہیں وہاں فقہا دوسرے عام قاعدوں کو استعمال کرتے ہیں اور اگر ان موارد کے لئے کوئی قاعدہ نہیں ہوتا تو پھر قرعہ کا استعمال کرتے ہیں[2]۔

ضرر اور نقصان کا پیمانہ فقہا کی نگاہ میں عرف عام ہوتی ہے اور اس کی کمی اور زیادتی افراد کی حالت سے معین ہوتی ہے۔ چنانچہ عرف کی نگاہ میں اگر شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے مرد اور خانوادہ پر عورت کی سماجی سرگرمیوں کا نقصان وضرر، سماجی سرگرمی انجام نہ دینے کے مقابلہ میں کم اور قابل چشم پوشی ہو تو ایسی صورت میں عورت پر مرد کی فوقیت وسرپرستی اور اس کی اطاعت کا لازمی ہونا، عورت کو مفید اور تعمیری سماجی فعالیت سے روکنے کا جواز نہیں ہوسکتا ہے لیکن جن موارد میں عرف کی مطابق مرد اور خانوادہ پر وارد ہونے والا ضرر اور نقصان شدید ہوگا وہاں "قاعدہ لاضرر" مرد اور خانوادہ کے حق میں جاری ہوگا؛ لیکن یہاں اہم بات یہ ہے کہ کوئی بھی قانون یا شرعی حکم کسی نئے مسئلہ کے لئے اسی صورت میں حل واقع ہوسکتے ہیں جب وہ زمانہ اور جگہ کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔

عورت کے لئے مطلق طور پر شوہر کی اطاعت کا حکم اس معاشرے کے لئے تھا جو عورت کے کسی وجود کا قائل نہیں تھا اور عورت خود کو مکمل طور پر اپنے شوہر سے وابستہ دیکھتی تھی؛ لیکن آج جب خواتین کی حال مکمل طور پر تبدیل ہوگئی ہے تو ایسی صورت میں اس قسم کے حکم کو معاشرے کے مطابق اور خانوادگی مسائل و مشکلات کے حل کے طور پر نہیں جانا جاسکتا ہے؛ کیونکہ آج کے دور میں بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ مل جل معیشتی فعالیتیں انجام دیتی ہیں اور عملی طور پر گھر کے خرچوں کو پورا کرنے میں ساتھ دیتی ہیں۔

۱۔ توجہی، ۱۳۸۹: ۲۴۶ ۲۔ انصاری، ۱۴۱۰، ج ۳: ۲۸۳

موجودہ دور کے بعض علماء معاشرہ کی مصلحتوں اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر یہ کہتے ہیں کہ اگر عورت کا گھر سے باہر جانا اور ایسا عمل انجام دینا جس کا تعلق خود ان سے ہے، اگر انکی شان اور شوہر کے حقوق کے منافی نہ ہو تو گھر سے باہر جانے میں مرد کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر ملک سے باہر کا سفر کرے اور شوہر کے حق کی نسبت کوئی مشکل نہ ہو تو شوہر اسے روک نہیں سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر شوہر بھی سفر پر جانا چاہے اور اس کا یہ سفر مشترک زندگی اور بیوی کے حق کے منافی ہو تو اسے اس سفر کے لئے بیوی کی اجازت لینی چاہئے۔

ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت اور حفاظت کے پیش نظر جہاں تک عورت پر ضروری ہے اسے مرد کی اجازت لینی چاہئے اور مرد پر بھی واجب ہے کہ اجازت لے۔ دینی تعلیم، شرعی اور اعتقادی احکام جیسے بعض ایسے علوم جن کا علم حاصل کرنا ضروری ہے ان کے لئے بھی شوہر کی اجازت کی شرط نہیں ہے۔ کتاب "المراۃ فی فکر الاسلامی" میں آیا ہے:

> "اصول تمکین یعنی عورت کا مرد کی جنسی ضرورت کے لئے آمادہ رہنا، اور اصول نشوز، یعنی عورت کا مرد کی نافرمانی کرنا دو ایسے مسلم اصول ہیں جن کو قاعدہ لاضرر کے ساتھ پرکھنا ضروری ہے تاکہ مرد کے حقوق، عورت کے لئے ضرر کا باعث نہ بنیں؛ کیونکہ قاعدہ لاضرر کا مقصد ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی ضرر سے روکنا ہے اور یہ ہر قسم کے ضرر کو شامل ہوتا ہے منجملہ عورت پر وارد ہونے والا ضرر"[۱]۔

نتیجہ اور حل

سماجی فعالیت خواتین کی سرگرمی کے لئے سب سے اہم میدان ہے جہاں ان کی صلاحیتیں ترقی اور نکھار پاسکتی ہیں اور اسلامی تعلیمات میں اس بات پر ہمیشہ سے تاکید رہی ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سماجی فعالیت اور شوہر کے حقوق کے درمیان ٹکراؤ اور تصادم پیدا ہو جاتا ہے۔ بعض مقامات پر عورت کا گھر کے باہر کام کرنا اور سماجی امور میں سرگرم ہونا گھریلو مصلحتوں اور عورت کی شان کے منافی قرار پاتا ہے جو شوہر اور دیگر اعضائے خانوادہ کے لئے ضرر و نقصان کا سبب بنتا ہے۔

دوسری طرف سے بیوی پر مطلق طور پر شوہر کی اطاعت کا واجب ہونا روایات کے خلاف ہے؛ کیونکہ ان

۱۔ مجموعۃ من الباحثین، ۱۴۲۳: ۲۲۵

روایات میں اطاعت کے حکم کو استحباب پر حمل کیا گیا ہے اور اس میں مرد کو اس کے مسلم حقوق کے دائرے میں رہتے ہوئے گھر کا سرپرست قرار دیا گیا ہے جہاں گھر سے باہر نکلنے اور جنسی امور میں بیوی کے لئے شوہر کی اطاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ صرف اس بہانے سے کہ گھر سے باہر نکلنے میں عورت پر مرد کی اطاعت واجب ہے جبکہ عورت کی سماجی فعالیت کے باوجود مرد کو اس کے حقوق حاصل ہورہے ہوں، عورت کو خانہ نشین کرکے اسے سماجی فعالیت سے محروم کردینا نہ صرف عورت کے حق میں ضرر اور نقصان کا سبب ہے بلکہ معاشرے کو بھی اس کی خدمات سے محروم کرنے اور انفرادی مصلحت کو معاشرے کی مصلحت پر ترجیح دینے کا سبب ہوگا؛ بلکہ یہ امر شریعت کے ان اعلیٰ مقاصد کے بھی منافی ہے جہاں افراد معاشرہ اپنی شرکت اور تعاون کے ذریعہ ایک بہترین سماج تشکیل دیتے ہوئے اور اپنی قسمت خود رقم کرتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ حکم موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتا جہاں خواتین مختلف میدانوں میں سرگرم ہیں اور معاشرہ کو مختلف شعبوں میں ان کی ضرورت ہے لہٰذا عورت اور معاشرے کے مفاد، جب تک خانوادہ کے لئے نقصاندہ نہ ہوں اس وقت تک مرد کو عورت کی سماجی فعالیت کو تحمل کرنا معقول بات ہوگی؛ اگرچہ قوانین اور اصول انسان کے لئے ضرر رساں نہیں ہونے چاہئے لیکن چونکہ انسان کو سماجی اور اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے اور اجتماعی زندگی کی بقا کے لئے انسان کو اپنے کچھ مفادات سے سمجھوتہ کرنا ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں بڑے نقصانات سے بچنے کے لئے چھوٹے ضرر اور نقصانات کو برداشت کرنا نقصان شمار نہیں ہوتا؛ جس طرح فرائض اور واجبات انجام دینا، اگرچہ انسان پر بھاری ہوتے ہیں لیکن یہ چیزیں انسان کے تکامل اور ترقی کے لئے ہوتی ہیں۔

توخلاصہ کے طور پر کہا جاسکتا ہے:

مسلمانوں کے سماجی امور کے اہتمام کے لئے معاشرے میں مرد و زن کا مساوی طور پر فعالیت کرنا ضروری ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیشہ سے اس پر تاکید رہی ہے بلکہ اس کو فرض جانا گیا ہے۔ اس کو ترک کرنے کا گناہ ویسا ہی جیسا دین سے خارج ہونے کا ہے۔

عورت کا سماجی فعالیت انجام دینا اس کا ناقابل انکار حق ہے اور اس کے لئے جائز ہے جس کا لازمہ یہ ہے کہ اسلام کی نگاہ میں مرد و زن مساوی ہیں۔ عورت کا گھر سے باہر جاکر کام کرنا اگر شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو اور مرد کے حقوق سے نہ ٹکرائے تو جائز ہے۔

عورت کی سماجی فعالیت اور مرد اور خاندان کے حقوق میں ٹکراؤ کی صورت میں دیکھا جائیگا کہ زیادہ نقصان اور ضرر کس پر وارد ہو رہا ہے۔ عورت اور معاشرے پر یا مرد اور خانوادہ پر؟ ان میں سے جس ضرر اور نقصان کی شدت کم ہو گی اس کو انتخاب کیا جائیگا لیکن اگر عرف کے مطابق دونوں کا ضرر مساوی ہو تو ایس صورت میں فقہا عام قاعدوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور قاعدے نہ ہونے کی صورت میں اس کا حل قرعہ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے۔

منابع و مآخذ

- قرآن کریم
- آیت اللهی، زہرا، زن، دین، سیاست، سفیر صبح، تہران، ۱۳۸۰
- ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۸۸
- احسائی، ابن جمہور، عوالی اللئالی، انتشارات سید الشہدا، قم، ۱۴۰۵
- امام خمینی، سید روح اللہ، صحیفہ امام (دورہ ۲۲ جلدی)، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۸۵
- امام خمینی، سید روح اللہ، تحریر الوسیلہ، مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۷۹
- انصاری مرتضیٰ، مکاسب، مؤسسہ النعمان، بیروت، ۱۴۱۰
- بستان (نجفی)، حسین، لزوم جرم انگاری نشوز زوج، مجلّہ مطالعات راہبردی زنان، شمارہ ۴۸، ۱۳۸۹
- حر عاملی، محمد بن حسین، وسائل الشیعہ، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۹
- حسینی خوانساری، احمد، مستدرک الوسائل، مؤسسہ آل البیت، قم، ۱۴۰۸
- حکیمی، محمد، دفاع از حقوق زن، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۸۳
- حیدری احمد خانوادہ، عشق، استواری، انتشارات پرتو خورشید، قم، ۱۳۸۶
- خوانساری، سید احمد، جامع المدارک فی شرح مختصر النافع، مکتبۃ الصدوق، تہران، ۱۴۰۸
- زعفرانچی، لیلا سادات، اشتغال زنان، مرکز امور زنان و خانوادہ نہاد ریاست جمہوری، تہران، ۱۳۸۸
- سمارہ، محمد، احکام و آثار الزوجۃ، دار العلمیہ الدولیۃ للنشر والتوزیع، عمان، ۱۳۷۶
- شہید ثانی، زین الدین بن علی مکی عاملی، مسالک الافہام الی تنقیح شرائع الاسلام، مؤسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۶
- شیخ طوسی، محمد بن حسن تہذیب الاحکام، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵
- شیخ مفید، محمد بن محمد، احکام النساء، کنگرہ شیخ مفید، قم، ۱۴۱۳
- طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، : دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۴۱۷
- عیاشی، ابی نصر محمد بن مسعود، تفسیر عیاشی، چاپ خانہ علمیہ، تہران، ۱۳۸۰
- فاضلی بیار جمندی، سید احمد، نقش زن شیعہ در عصر امام علیؑ، انتشارات میثم تمار، قم، ۱۳۸۱

- فنایی اشکوری، محمد، منزلت زن در اندیشه اسلامی، مؤسسه آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۷
- قطیفی، فرج آل عمران، وفاۃ سیدۃ زینبؑ، مجموعہ وفیات الائمۃ، دار البلاغۃ، بیروت، ۱۴۱۲
- کاتوزیان، ناصر، دورہ مقدماتی حقوق مدنی (خانوادہ)، نشر یلدا، تہران، ۱۳۷۵
- کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵
- متقی ہندی، علی بن حسام الدین، کنز العمال، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۹
- مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، تبیان: جایگاہ زن در اندیشہ امام خمینی، دفتر ہشتم، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، تہران، ۱۳۸۴
- مجلسی، محمد باقر بن محمد تقی، بحار الانوار، مؤسسۃ الوفاۃ، بیروت، ۱۴۰۴
- مجموعۃ الباحثین، المراۃ فی الفکر الاسلامی المعاصر، الغدیر للدراسات الاسلامیہ، بیروت، ۱۴۲۳
- محمودی عباس علی، پژوہشی قرآنی، فہی و حقوقی در بارہ مرد وزن، نشر مطہر، تہران، ۱۳۸۷
- مدرسی، سید محمد تقی، آزادی و مسؤلیت زن، ترجمہ حمید رجا آتزیر، محبان الحسین، تہران، ۱۳۸۰
- مطہری، مرتضیٰ، نظام حقوقی زن در اسلام، صدرا، تہران، ۱۳۷۶
- منصور نژاد، محمد، مسئلہ زن، اسلام و فمنیسم، انتشارات زیتون، تہران، ۱۳۸۱
- موسوی بجنوردی، سید محمد، قواعد فقہیہ، انتشارات مجد، تہران، ۱۳۸۵
- موسوی ہمدانی، سید محمد باقر، ترجمہ تفسیر المیزان، دفتر انتشارات اسلامی جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ، قم، ۱۳۸۴